حقیقتِ نفاق

از مولینا محمد شہزادہ صاحب فیروزپوری

(۱)

قرآن حکیم کا طرزِ استدلال

زیر بحث عنوان میں غور کرنے سے پہلے ناظرین کے سامنے چند تمہیدی الفاظ کا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن حکیم نے جن حقائق کا انکشاف یا اثبات کیا ہے۔ اس میں اہل منطق اور فلسفہ کی طرح تدقیقات عمیقہ سے کام نہیں لیا جن کے سمجھنے اور ضبط کرنے کے لئے حیرت کی وادیوں میں سرگرداں ہونا پڑے۔ بلکہ اسلام جیسے خود عین فطرت اور امر تکوینی[1] کا دوسرا نام ہے ایسے ہی اس کے دلائل و شواہد بھی فطرتی اور تمام تر عالم ہستی سے ماخوذ ہیں[2]۔ اور ساتھ ہی ایسے واضح اور جلی ہیں کہ ہر شخص ان کے واسطہ سے درجہ ایقان اذعان تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ عقل کو انفعالاتِ نفسانیہ سے مجرد کر کے تدبر و تفکر سے کام[3]

---

[1] ترجمان القرآن میں مولانا آزاد نے کسی مقام پر فرمایا ہے کہ :- قرآن حقیقت کو "حق" سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ محض کسی ایک گوشہ کی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ جہاں اصل تخلیق و تکوین "حق" اور قانون حق کا قیام ہے اس کا نام عدل و قسط بھی ہے عالم جسم و مادہ کا کوئی گوشہ دیکھو تمہیں سرگوشہ میں وجود، تکوین، تعمیر، ایجاب، زندگی، بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملیگی۔ یہی حقیقت جب اعمال و افکار انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے ۱۲

[2] قرآن حکیم نے عالم ہستی کی جن راہوں سے استدلال کیا ہے ان کو تین حصوں میں منضبط کیا جا سکتا ہے (الف) عالم انفس (ب) آیات کونیہ (ج) براہین عقلیہ یعنی انسان کی خود اپنی ہستی جو کچھ اس سے باہر ہے۔ اقوام ماضیہ کے احوال و تجارب

[3] یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم دلائل حق بیان کرنے کے بار بار تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سوچنے میں نظر و فکر کی راہ چھوڑ کر تقلید کی اختیار کرنا یہ وہ عالمگیر گمراہی ہے جو امم سابقہ کو قبول حق سے مانع رہی۔ دراصل ہے بھی یہی بات۔ کیونکہ نظر و فکر کی جتنی گمراہیاں ہیں سب کا سرچشمہ تقلید ہی ہے۔

یہاں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جب قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے تقلید کا نہیں (بلکہ وہ اس کو عالمگیر گمراہی قرار دیتا ہے) تو جو شخص قرآن مجید کے مطالب پر غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا نیز جبکہ قرآن کے سمجھنے کو وحی الٰہی نے تدبر ضروری ہوا تو کیونکر یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد امام کی تحقیق میں تدبر ضروری نہ ہو اور اہل علم پر لازم ہو کہ از روئے تقلید سر اطاعت خم کر دیں ۱۲

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے بیان کردہ دلائل و براہین کو آیاتٌ بیناتٌ اور آیاتٌ مُفصّلاتٌ سے تعبیر کیا۔

اب زیر بحث حقیقت پر غور کیجئے۔ اس کو قرآن حکیم نے تعریفات منطقیہ سے واضح نہیں کیا۔ بلکہ دوسری حقائق کی طرح یہاں بھی فطری طرز بیان اختیار کیا کہ جس طرح عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں۔ یا تو تکوین کی حالت ہوگی یا افساد کی حالت ہوگی۔ یا پھر دونوں کے درمیان کی حالت۔ خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو یا زندگی ہے یا موت یا بیماری اسی طرح ایمان اور عمل کے دائرہ میں عقائد و اعمال کے لحاظ سے انسان کے قلب و روح کی بھی تین ہی حالتیں ہیں۔

(ا) مستعد اور صالح قلوب۔ جو ہر اچھی بات کو پہچان کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ ان کو قرآن حکیم نے مومن اور احیاء کہا ہے۔

(ب) مفسد اور شریر قلوب۔ جنہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی بات اُن کے اندر نہیں اُترتی ہر بات کو سنتے ہی مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ ان کو قرآن حکیم نے کافر اور اموات سے تعبیر کیا ہے۔

(ج) درمیانی گروہ جو ظاہراً قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی۔ اس میں پہلے گروہ کی سی تو مستعدیت اور صلاحیت ہی ہوتی ہے کہ جو بات مان لی۔ اس کو کماحقہ مان کر اس پر عمل کریں۔ اور نہ ہی دوسرے گروہ کی بیباکی و جرأت کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کر دیں۔ یہ گروہ اگرچہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے۔ لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی پر نہیں ہوتا۔ یہ منافق ہیں۔ اور ان کو قرآن حکیم نے مریض کہا ہے۔ ان تینوں حالتوں کا قرآن حکیم نے جابجا تذکرہ کیا ہے، فرمایا۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۔ ترجمہ: سو جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔ خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ یہ مثال تو بہت ہی موقعہ کی ہے ان کے رب کی جانب سے اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے سو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یونہی کہتے رہیں گے وہ کون مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ نے اس حقیر مثال سے۔ گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتوں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کسی کو مگر بے حکمی کرنے والوں کو۔

دیکھئے! یہاں مومنوں کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ حق بات سنتے ہی پہچان کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور کفار کی علامت یہ کہ حق کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے انکار و جحود اور سرکشی کرتے ہیں۔ اور حق کو صرف یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۔ کہ مردے ہیں۔ زندے نہیں۔ یعنی کافروں کی مثال مردوں کی ہے کہ ان میں اصلاح حق کا حس و

شعور نہیں ہوتا۔ اور مومنوں کی مثال زندوں کی ہے کہ ان میں ہر طرح کا احساس و شعور پایا جاتا ہے۔ منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۔ کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لئے آخرت میں عذاب الیم ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ دوسری جگہ فرمایا مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ کہ منافق ہمیشہ تذبذب میں رہتے ہیں کہ نہ ان میں ایمان و عزم کی پختگی ہے اور نہ ہی انکار و جحود کی جرأت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ضلالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو اس کے سمجھنے میں علی العموم لوگوں نے غلطی کی ہے جس سے غیر مذاہب آریہ وغیرہ کو قرآن حکیم پر اعتراض کرنے کا موقعہ ملا کہ جب ضلالت وہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور انسان مجبور محض اور مسلوب الاختیار ہے تو اعمالِ بد کی سزا کیسے اور کس قانون پر؟ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ اعتراض قرآن حکیم کے اسلوب بیان کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کا عام اسلوب بیان یہ ہے۔ کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے۔ مثلاً اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی بجائے اپنے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ اور اُسی پر اڑے رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ملدی جاتی ہیں۔ اور سمجھ بالکل الٹی ہو جاتی ہے۔ کتنی ہی صاف بات کہی جائے ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو وہ اور زیادہ مخالفت کریں گے۔ قرآن حکیم اس حالت کو یوں تعبیر کریگا کہ "اللہ پاک نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس وہ سمجھتے نہیں" اب اس سے یہ سمجھنا حماقت ہوگی کہ خدا تعالیٰ آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہاں پر ایک اور بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ لوگوں نے تقدیر کا مفہوم سمجھنے میں بھی اسی طرح کی غلطی کھائی ہے۔ یہ سمجھا ہے کہ انسان تقدیر کا قیدی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ اور اللہ پاک نے ہمارے اقبال و ادبار کو پہلے ہی سے لکھ رکھا ہے۔ جو کچھ ہونا ہے۔ اس نوشتے کے مطابق ہو کر ہی رہے گا۔ خواہ ہم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں!

مسلمانوں کا تنزل اور اس کا علاج

اس تقدیر اور رضا بالقضا کے عقیدے سے مسلمانوں میں جامدین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جس نے دنیا و ما فیہا کو چھوڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی۔ ترغیب و ترہیب اور مکاشفات وغیرہ کے مسائل پر زور دے کر لوگوں کو دنیا سے نفرت دلائی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ زہد و فقر کے مسائل ہی کو اسلام سمجھا گیا۔ اور اقتصادی و معاشرتی اصلاح اور جدید علوم و فنون سے مستفید ہونے کو دنیاداری اور سیاست سمجھ کر ان سے بائیکاٹ کیا گیا جس کی وجہ سے دوسروں کے محکوم ہو گئے۔

اب صورت حال یہ ہوگئی کہ ایک طرف تو کتاب و سنت کو چھوڑ کر بدعات و رسوم کا التزام اور آرا و اجتہادات کو واجب التقلید سمجھا گیا بلکہ سنت پر عمل کرنے کو انحراف عن الدین قرار دیا گیا۔ اور دوسری طرف اقتصادی و معاشرتی اصلاح اور جدید علوم و فنون سے بائیکاٹ کرنے کی وجہ سے دوسروں کے غلام بن گئے۔ مولانا حالی نے پہلی گمراہی کے متعلق لکھا ہے۔ عہ

سدا اہلِ تحقیق کے دل میں بل ہے | حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
قیاسوں پہ بالکل مدارِ عمل ہے | ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے۔

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جب یہ جمود امت میں سرایت کر گیا اور مذہب کی مسخ شدہ صورت لوگوں کے سامنے رہ گئی تو اس موقعہ پر دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ مذہب ترقی سے مانع ہے۔ موجودہ زمانہ علم و سائنس کا زمانہ ہے۔ اسلام جیسے جمود پسند مذہب کو ساتھ لے کر ترقی غیر ممکن ہے وغیرہ۔

نوجوانانِ ملت کے سامنے چونکہ اسلام کی صحیح تصویر موجود نہ تھی۔ وہ ان رسوم و بدعات اور رہبانی زندگی کو ہی مذہبِ اسلام خیال کرتے تھے۔ اس لئے دشمنوں کے یہ جملے سنتے ہی انہیں پورا یقین ہو گیا کہ واقعی یہ جمود ہے اور ترقی سے مانع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم یورپ کی اسلام سے برگشتہ ہو کر داعیانِ مذہب و ملت پر اس تنزل کا الزام رکھا۔ اور علمائے حق کے خلاف جنگ و پیکار میں مشغول ہوگئے۔

کسی نے قرآن حکیم کو اوراق بالیہ سے تعبیر کیا۔ اور کسی نے اسلاف رحمہم اللہ پر حملے کئے اور کہا کہ پہلے سب گمراہ تھے۔ اسلام اور قرآن کو تیرہ سو سال سے کسی نے نہیں سمجھا۔ مولوی کا مذہب غلط ہے۔ ان کو ختم کر دینا چاہئے وغیرہ حالانکہ تعطل و جمود کا سبب نہ تو مولوی طبقہ تھا اور نہ ہی مذہب۔ کیونکہ مذہب اسلام تو ایک انقلابی تحریک ہے جس نے جمودِ باطل کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا ہے اور قرآن نے ان لوگوں کو جو راہِ حق کو چھوڑ کر آبا و اجداد کی رسوم قبیحہ پر مصر ہیں سمجھا، اور حیوانوں سے بدتر کہا ہے وغیرہ۔ بلکہ اس تنزل کا حقیقی سبب یہی درویش اور جمود پسند حضرات تھے جنہوں نے کتاب و سنت کی بجائے بدعات کی ترویج کی اور قوم کو اقتصادی، معاشرتی ترقی سے روک کر اسی پر جمے رہنے کی تلقین کی اور موجودہ تنزل کو تقدیر کے حوالہ کر کے ان پر صبر کرنے کو کہا۔

عہ اگر آپ مفصلاً یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آجکل مسلمان شرکیہ عقائد اور رسوم و بدعات میں مبتلا ہو کر کتاب و سنت سے (جو مذہب کا صحیح سرچشمہ ہے) کس قدر دور ہو چکے ہیں تو میرے محترم رفیق مدیر معاون کے مضمون کو جو "احسان عظیم" کے عنوان سے اسی رسالہ میں باقساط شائع ہو رہا ہے غور کے ساتھ دوبارہ مطالعہ کریں ۱۲

تقدیر کا مفہوم

اب قبل اس کے کہ میں اپنی بساط علمی کے مطابق اس تنزل کا علاج پیش کروں اس تقدیر کے مفہوم کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ تقدیر یہ نہیں کہ انسان اس کے سامنے مجبور محض ہو اور اس کا تسلط انسان پر اتنا ہو کہ سعی و عمل اس کے سامنے ہیچ اور لاطائل ثابت ہو اگر ایسا ہی ہوتا تو قرآن نہ سعی عمل کا حکم دیتا اور نہ ہی کَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا کا مژدہ سناتا، بلکہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے لئے قوانین مقرر کئے جن کے ماتحت یہ سارا نظام چل رہا ہے پس یہ تکوین و تدبیر اور اسباب و مسببات کا پورا نظام جو ان قوانین قدرت کے ماتحت چل رہا ہے اس کا نام قرآن نے تقدیر رکھا ہے (خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا)
اب ان قوانین قدرت کا جن کے غلط یا صحیح استعمال پر نفع نقصان مرتب ہوتا انسان کو کلی اختیار ہے کہ ان کا صحیح استعمال کرکے اپنی دنیاوی اخروی زندگی کامیاب بنائے یا غلط استعمال کرکے دنیاوی ذلت اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو بلکہ اللہ نے وحی والہام کا سلسلہ قائم کرکے انسان کو اس نفع و نقصان سے آگاہ بھی فرما دیا ہے۔
اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔ تفصیل کا موقع نہیں اس مختصر ترتیع کو سمجھ کر آپ جواب دیں کہ اس میں جبر اور سلب اختیار ہے؟ یا اختیار و ابتلاء؟ والسلام (باقی) ۱۲

حُبِّ نبی

از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب رحمانی

(۱) جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے لوگوں کے سالانہ وظیفے مقرر کئے تو عام لوگوں کی طرح اپنے بیٹے عبداللہ کا بھی دو ہزار مقرر کیا، اور حضرت اسامہ بن زید رضؓ کا پانچ ہزار۔ عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت دے دی تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔ اِنَّ اُسَامَةَ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ
اسامہ حضور پُر نور کو تم سے زیادہ محبوب تھے (الاستیعاب)
یہ تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی محمدؐ کو یاد رکھنے والے۔

(۲) ثابت بن دحداح رضؓ کے تذکرہ میں بلیغ جملے نظر آتے ہیں کہ جب غزوہ احد میں مسلمان تتر بتر ہو گئے اور حضور کی وفات کی خبر سن کر مضمحل ہو گئے۔ تو انہوں نے بلند آواز سے پکار کے کہا اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ فَقَاتِلُوْا عَنْ دِیْنِکُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ نَاصِرُکُمْ (۲)
یعنی اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو تم بھی اسی مشن کے لئے جان دو (بقیہ صفحہ ۲۲ پر)